علامہ اقبالؒ اور سفر حرمین شریفین

ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام
صدر شعبہ اقبالیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

علامہ اقبالؒ دنیا کے ان معدودے چند عظیم شاعروں اور ادیبوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے شعر و ادب کو صرف اور صرف اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے وقف کیا۔ ان کے نزدیک فلسفہ و ادب اور علم و حکمت کا مقصود نہائی حرم کے مسائل کا حل ہے اور بس۔

یہ حکمت ملکوتی ، یہ علم لاہوتی حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں[۱]

اقبالؒ نے شعر و ادب کو مکمل طور پر تبلیغ دین کا وسیلہ بنایا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اگر میرے کلام میں قرآنی مطالب اور آپ کی تعلیمات کے علاوہ کچھ موجود ہو تو آپ امت مسلمہ کو میرے افکار کے شر سے محفوظ رکھیں اور قیامت کے روز مجھے اپنے بوسۂ پا سے محروم فرمائیں :

گر دلم آئینۂ بے جوہر است ور بحرفم غیر قرآن مضمر است
پردۂ ناموس فکرم چاک کن این خیابان از خارم پاک کن
روز محشر خوار و رسوا کن مرا بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا[۲]

اقبالؒ حرمین شریفین حاضر نہ ہو سکے۔ اس کے باوجود ان کے کلام میں حرمین شریفین کے ایک سے زیادہ سفر نامے ملتے ہیں۔ جن کے لفظ لفظ سے اس زمین مقدس کے ساتھ ان کی غیر معمولی محبت و ارادت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان سفر ناموں میں اقبالؒ کا مقصد محض سفری کوائف لکھنا نہیں بلکہ اپنے داخلی جذبات و احساسات کو بیان کرنا ہے تاکہ ایک طرف حرمین شریفین کی عزت و احترام اور عظمت و اہمیت واضح ہو اور دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں میں اس سرزمین پاک کے ساتھ عشق و محبت کے جذبات پیدا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے علامہ اقبال کے دل میں ابتدائے عمر ہی سے حجاز مقدس کی محبت غالب تھی۔ وہ اس سرزمین پاک کو اپنی حقیقی منزل تصور کرتے تھے اور بقول مولانا رومؒ :

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش باز جوید روزگار وصل خویش

ان کا دل حریم حجاز سے تھا ۳؎ اور وہ ہمیشہ اسی خاک پاک میں جذب ہو جانے کے متمنی رہے، چنانچہ انہوں نے کہا :

"آرزو دارم کہ میرم در حجاز"

۱۲ر ستمبر ۱۹۰۵ء کو ان کا جہاز جب عدن کی بندرگاہ پر پہنچنے لگا تو انہوں نے اپنے قلبی عواطف کو ایک خط میں یوں قلمبند کیا :

"چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن پہنچ جائے گا ساحل عرب کے تصور نے جو ذوق و شوق اس وقت پیدا کر دیا ہے اس کی داستان کیا عرض کروں۔ بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کروں"۔

اللہ رے خاک پاک مدینہ کی آبرو
خورشید بھی گیا تو ادھر سر کے بل گیا

"اے عرب کی سرزمین تجھ کو مبارک ہو۔ تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا۔ مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی..... تیرے ریگستانوں نے مقدس نقش قدم دیکھے ہیں اور تیری کھجوروں کے سائے نے ہزاروں ولیوں اور سلیمانوں کو تمازت آفتاب سے محفوظ رکھا ہے۔ کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیری ریت کے ذرّوں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو۔ کاش میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں چلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروانہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذان بلال کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی۔"۴؎

پھر جب جہاز جزیرۂ سسلی کے سامنے سے گذرا تو بے تاب ہو کر کہا :

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار

وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار
تھا جہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
ہے ترے آثار میں پوشیدہ کس کی داستاں
تیرے ساحل کی خموشی میں ہے انداز بیاں
درد اپنا مجھ سے کہہ میں بھی سراپا درد ہوں
جس کی تو منزل تھا میں اس کارواں کی گرد ہوں
رنگ تصویر کہن میں بھر کے دکھلا دے مجھے
قصہ ایام سلف کا کہہ کے تڑپا دے مجھے
میں ترا تحفہ سوے ہندوستان لے جاؤں گا
خود یہاں روتا ہوں اوروں کو وہاں رُلاؤں گا

۱۹۰۸ء کے بعد کہی ہوئی ایک نظم ہے جس کے مطابق کسی مہربان نے انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ جدہ میں شفاخانہ قائم ہو رہا ہے۔ اس پر اقبال نے کہا:

اوروں کو دیں حضور یہ پیغام زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمین حجاز میں[۵]

اکتوبر ۱۹۱۱ء میں اکبر الہ آبادی کو خط میں لکھا: "خدا آپ کو اور مجھ کو کبھی زیارت روضۂ رسول نصیب کرے۔ مدت سے یہ آرزو دل میں پرورش پا رہی ہے دیکھئے کب جوان ہوتی ہے۔[۶]

۱۹۲۲ء میں شائع شدہ تصنیف "پیام مشرق" میں "نغمۂ ساربان حجاز" کے عنوان سے ایک فارسی نظم ہے جس میں اقبال اونٹنی پر سوار ہو کر حرمین شریفین جا رہے ہیں۔ یہی ان کا اصل وطن ہے۔ تمام نظم جو نہایت خوش آہنگ ہے اونٹنی کو خطاب ہے۔ اونٹنی یہاں محض ایک استعارہ ہے۔ اقبال دراصل اپنی روح سے مخاطب ہیں کہ وہ جلد حرمین شریفین پہنچ کر سجدہ ریز ہو۔ اقبال

یہی روح پیکر امت میں بھی پھونکنا چاہتے ہیں۔اس نظم کے چند آخری اشعار یوں ہیں :

شام تو اندر یمن صبح تو اندر قرن ریگ درشب وطن
پائے ترا یاسمن اے چو غزال ختن تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست
مہ ز سفر پاکشید در پس تل آرمید صبح ز مشرق دمید
جامۂ شب بردرید باد بیابان وزید تیز ترک گام زن منزل مادور نیست
نغمۂ من دلکشائے زیر و بمش جانفزائے قافلہ ھا را درائے
فتنہ ربا فتنہ زائے اے بہ حرم چہرہ سائے تیز ترک گام زن منزل مادور نیست ۷ ے

یعنی تو شام کے وقت یمن میں ہے اور صبح قرن میں ہے۔ تیرے پاؤں میں وطن کی ریت چنبیلی کے پھولوں کی طرح ہے۔ تو غزال ختن ہے۔ ذرا تیز چل ہماری منزل دور نہیں۔

چاند تمام رات سفر کر کے تھک گیا ہے۔وہ ریت کے ٹیلے کے پیچھے آرام کرنے لگا ہے۔ مشرق سے صبح کی روشنیاں پھوٹ رہی ہیں۔رات کے پردے چاک ہو گئے ہیں۔ صحرا کی ہوا چلنے لگی ہے۔ تو ذرا تیز چل ہماری منزل دور نہیں ہے.

میرا نغمہ دل انگیز ہے۔اس کا آہنگ روح پرور ہے۔ قافلوں کو بیدار کرنے والا ہے۔ ہنگامہ پرور اور انقلاب انگیز ہے۔اے کہ تجھے حرم پاک میں پہنچ کو سجدہ کرنا ہے' ذرا تیز چل ہماری منزل دور نہیں ہے۔

اس نظم کے ہلکے پھلکے الفاظ اور چھوٹے چھوٹے مصرعے بہت ہی موزوں اور مترنم ہیں۔یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ نظم بچوں کے لیے کہی گئی ہو۔لیکن اس نظم سے متعلق ایران میں واقعہ یہ ہوا کہ جب ہزاروں انقلابی لوگ جتھوں کی شکل میں اڑھائی ہزار سالہ سلطنتی قصر استبداد کو مسمار کرنے کے لیے شاہ کی آگ اگلتی توپوں کی طرف بڑھے تو وہ بلند آواز سے پڑھتے۔" تیز ترک گام زن منزل مادور نیست" تیز ترک گام زن منزل مادور نیست" بلا شبہ تشکیل پاکستان اور پھر مشرق وسطی اور وسطی ایشیا کے انقلابات کافی حد تک اقبال کے انہی اشعار کے مرہون منت ہیں۔

علامہ اقبال نے بتاریخ ۱۳ر جون ۷ ۱۹۳ء سر اکبر حیدری کے نام خط میں لکھا

"تنہا خواہش جو ہنوز میرے دل میں خلش پیدا کرتی ہے۔ یہ رہ گئی ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو حج کے لیے مکہ جاؤں اور وہاں سے اس ہستی کے مزار پر حاضری دوں جس کا ذات الٰہی سے بے پایاں شغف میرے لیے وجہ تسکین اور سرچشمۂ الہام رہا ہے۔ میری جذباتی زندگی کا سانچہ کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ انفرادی شعور کی ابدیت پر مضبوط یقین رکھے بغیر ایک لمحہ بھی زندہ رہنا میرے لیے ممکن نہیں ہو سکا۔ یہ یقین مجھے پیغمبر اسلامؐ کی ذات گرامی سے حاصل ہوا ہے۔ میرا ہر بن مو آپؐ کی احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہے۔ اور میری روح ایک بھرپور اظہار کی طالب ہے جو صرف آپؐ کے مزار مقدس پر ہی ممکن ہے۔ اگر خدا نے توفیق بخشی تو میرا حج اظہار تشکر کی ایک شکل ہو گی۔"۸

اقبالؒ نے مذکورہ عبارت میں اپنے انفرادی شعور کی ابدیت کو اپنے لیے ناگزیر قرار دیا ہے اور اسے نبی علیہ السلام کی ذات حق صفات کا فیضان کہا ہے جو بلاشبہ شعوری حیات کی ابدیت کی عالی ترین تجلی ہیں۔ چنانچہ اس حوالے سے اقبال ۱۴ر جنوری ۱۹۲۳ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے۔"۹

اگست ۱۹۳۷ء کو سید غلام میران شاہ کے نام ایک خط میں لکھا:

"حج بیت اللہ کی آرزو گذشتہ دو تین سال سے میرے دل میں بھی ہے۔ خدا تعالیٰ ہر پہلو سے استطاعت عطا فرمائے تو یہ آرزو پوری ہو۔ اگر آپ رفیق راہ ہوں تو مزید برکت کا باعث ہو۔ عراق کی راہ جائیں تو بہت سے مقدس مقامات کی زیارت ہو جاتی ہے۔ لیکن بغداد سے مدینہ تک چھ سو میل کا طویل سفر ہے جو لاری پر کرنا پڑتا ہے۔ صحرائی سفر بہت دشوار گذار ہے۔ وہاں کی گورنمنٹ کی طرف سے اطلاع اخباروں میں شائع ہوئی تھی کہ جن لوگوں کی صحت اچھی نہیں وہ یہ راستہ اختیار نہ کریں۔ مولوی محبوب عالم مرحوم ایڈیٹر پیسہ اخبار کی صاحبزادی فاطمہ بیگم ایڈیٹر خاتون جو حال ہی میں واپس آئی ہیں وہ بھی راستہ کی دشواری کی تصدیق کرتی ہیں۔ آپ ایسے

باہمت جوان کے لیے تو یہ سفر قطعاً مشکل نہیں، ہمت تو میری بھی بلند ہے۔ لیکن بدن عاجز و ناتواں ہے۔ کیا عجب کہ خداوند تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور آپ کی معیّت اس سفر میں نصیب کرے۔

"چند روز ہوئے سر اکبر حیدری وزیر اعظم حیدر آباد کا خط مجھ کو ولایت سے آیا تھا۔ جس میں وہ لکھتے ہیں کہ حج بیت اللہ اگر تمہاری معیّت میں نصیب ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے لیکن درویشوں کے قافلہ میں جو لذت و راحت ہے وہ امیروں کی معیت میں کیونکر نصیب ہو سکتی ہے۔ میرے دوست غلام بھیک نیرنگ نے بھی خطوط اپنے احباب کو بغداد میں میرے کہنے پر لکھے ہیں تاکہ مذکورہ بالا راستے کے کوائف سے مفصل آگاہی ہو۔ ان کا جواب آنے پر آپ کو بھی اطلاع دوں گا۔"[۱۰]

اواخرِ عمر میں حرمین شریفین کے سفر کا شوق ان کے دل میں روز بروز بڑھتا گیا۔ ۱۹۳۸ء میں مزید تیاری شروع کی۔ چنانچہ اطالوی کونسل جنرل نے انگلو اطالوی کمپنی لائڈ ٹرسیٹوں کے کسی جہاز میں سفر کرنے کی دعوت دی[۱۱]۔ اقبال سفر حجاز سے اہل وطن کے لیے ایک تحفہ بھی ہمراہ لانا چاہتے تھے۔ لیکن صحت روز بروز خراب ہو رہی تھی۔ چنانچہ اقبال عملاً سفر پر نہ جا سکے لیکن اب وہ عالم خیال میں جو بجائے خود عمل ہی کی ایک اساسی صورت ہے حرمین شریفین گئے اور وہاں سے وہ تحفہ "ارمغان حجاز" کی صورت میں لائے البتہ یہ تحفہ انہوں نے اپنی وفات کے بعد امت مسلمہ کو پیش کیا "ارمغان حجاز" حرمین شریفین کا روح پرور سفر نامہ ہے جو فارسی رباعیات کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے اس کے پانچ حصے ہیں۔ پہلا حصہ حضور حق ہے۔ دوسرا حضور رسالت، تیسرا حضور ملت، چوتھا حضور عالم انسانی اور پانچواں بہ یاران طریق کے عنوان سے ہے۔ حضور رسالت سب سے زیادہ لطیف احساسات کے بیان پر مبنی ہے۔ اس میں وہ مکہ شریف سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے کہتے ہیں۔

بدن واماند و جانم در تگ و پوست
سوے شہرے کہ بطحا رہ اوست

تو باش ایں جا و با خاصان بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

یعنی میرا بدن اگرچہ تھک چکا ہے لیکن میری روح مدینہ طیبہ کے سفر کے لیے فعال ہے۔ تم لوگ بیشک مکہ میں ٹھہرو مجھے تو اپنے محبوب کے در پر جانا ہے۔

بایں پیری رہ یثرب گرفتم نوا خواں از سرورِ عاشقانہ
چوآں مرغے کہ در صحرا سر شام کشاید پر بفکرِ آشیانہ

اس پرندے کی طرح جو صحرا میں شام کے وقت اپنے آشیانے کی طرف پرواز کرتا ہے۔ میں اپنے بڑھاپے کے عالم میں نواخوانی کرتا ہوا مدینہ شریف کی طرف چل پڑا ہوں۔

سحر باناقہ گفتم نرم تر رو کہ راکب خستہ و بیمار و پیراست
قدم آہستہ زد چنداں کہ گوئی بپائش ریگ ایں صحرا حریر است

میں نے سحر کے وقت اونٹنی سے کہا کہ ذرا آہستہ چل کہ یہ سوار تھکا ہوا ہے۔ بیمار اور بوڑھا ہے۔ میرے کہنے پر اونٹنی اس طرح آہستہ چلی کہ گویا صحرا کی ریت اس کے پاؤں میں ریشم ہو۔

مہار اے ساربان او را نشاید کہ جاں او چو جاں ما بصیر است

یعنی! اے ساربان اونٹنی کو مہار کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس کی روح بھی ہماری روح کی طرح دانا و بینا ہے۔

قدم اے راہرو آہستہ ترنہ چو ما ہر ذرۂ او درد مند است

اے راہ مدینہ کے مسافر تو آہستہ قدم رکھ کہ اس خاک کے ذرے بھی ہم انسانوں کی طرح حساس دل رکھتے ہیں۔

چہ خوش صحرا کہ در وے کاروان ھا درودے خواند و محمل براند
بہ ریگ گرم او آور سجودے جبیں را سوز تا داغے بماند

یہ کتنا مقدس صحرا ہے جس میں قافلے والے درود پڑھتے ہوئے سفر کر رہے ہیں اس صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر تم بھی سجدے کرو شاید تمہاری پیشانی داغ سجدہ سے مزین ہو جائے۔

مرا تنہائی و آہ و فغاں بہ
سوے یثرب سفر بے کارواں بہ

مجھے تنہائی اور آہ و فغان پسند ہے۔ میں مدینہ منورہ کی طرف اکیلا ہی سفر کرنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ اقبال بتاریخ ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء سحر کے وقت اس سفر پر عملاً روانہ ہو گئے۔ جانے سے پیشتر ایک نہایت اہم وصیت کر کے گئے جو یہ ہے کہ۔

ایک ہو مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر